خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق ایک عظیم الشان نشان

(فرمودہ ۴- ستمبر ۱۹۱۹ء)

۴- ستمبر ۱۹۱۹ء حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مرزا گل محمد صاحب ابن مرزا نظام دین صاحب کا نکاح رضیہ بیگم بنت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب سے پڑھا۔

خطبہ منسونہ کی تلاوت کے بعد فرمایا :-

ایک بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو کیسا کمزور اور ناتواں ہوتا ہے۔ وہ نہ اپنی ضروریات بیان کر سکتا ہے نہ اپنی تکالیف کہہ سکتا ہے نہ دوسروں کے خیالات سمجھ سکتا ہے۔ خیالات تو ابھی اس میں پیدا ہی نہیں ہوئے ہوتے۔ احساسات ہوتے ہیں۔ وہ اپنے احساسات کو دوسروں تک نہیں پہنچا سکتا۔ جاہل سے جاہل، نادان سے نادان، بیوقوف سے بیوقوف عورت جو اسے کھلاتی ہے خواہ وہ اس کی ماں ہو یا بہن یا نوکر۔ وہ اس کی حرکات پر ہنستی ہے۔ اس کی بے چارگی پر رحم کھاتی ہے اور اس کی مختلف حالتوں اور کیفیتوں پر استعجاب ظاہر کرتی ہے۔ اس کے بعد جب وہ کچھ بڑا ہوتا ہے اور لوگ اس سے باتیں کرتے ہیں تو وہ توتلی زبان سے بولتا ہے۔ اس پر لوگ ہنستے اور تعجب کرتے ہیں۔

پھر ہوتے ہوتے وہ اس عمر کو پہنچ جاتا ہے کہ مدرسے جانے لگتا ہے۔ پھر مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتے کرتے اس حد کو پہنچ جاتا ہے کہ اپنی کتابیں روانی سے پڑھنے لگتا ہے۔ پھر چونکہ

اسے پڑھنے کا نیا نیا شوق ہوتا ہے اور نئی نئی باتیں سیکھتا ہے اس لئے گھر میں آکر وہی کھلائیاں یا رشتہ دار عورتیں جو اس کی حرکات پر ہنسا کرتی تھیں ان سے باتیں کرتا ہے اور پوچھتا ہے اچھا بتاؤ امریکہ کے بڑے بڑے شہر کون سے ہیں؟ وہ نہایت تعجب اور حیرت سے پوچھتی ہیں۔ امریکہ کیا ہے؟ پھر وہ پوچھتا ہے اچھا بتاؤ پنجاب کے دریاؤں کے منبع کہاں کہاں ہیں؟ امریکہ تو خیر ایک اجنبی لفظ تھا لیکن پنجاب کو تو وہ جانتی ہیں اور دریاؤں کو بھی دیکھا یا سنا ہوتا ہے مگر منبع کا لفظ انہیں بہت عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے کیونکہ ان کا تو خیال ہوتا ہے کہ منبع کیا چیز ہے؟ دریا یونہی چلے آرہے ہیں۔ پھر کبھی ان سے جب پوچھتا ہے دریا شروع میں کتنے چوڑے ہیں تو ان کی سمجھ میں ہی یہ نہیں آسکتا کہ دریا کا شروع بھی ہوتا ہے اور چھوٹا دریا بڑا بن جاتا ہے۔ وہ سمندر کا حال پوچھتا ہے کہ کتنا بڑا ہوتا ہے اور کس قدر گہرا ہوتا ہے؟ اس پر تو ان کی وہی حالت ہوتی ہے جو کنویں کے مینڈک کی بیان کی جاتی ہے کہ ایک دریا کا مینڈک کنویں میں آگیا کنویں کے مینڈک نے اس سے پوچھا۔ آپ کا ملک کتنا بڑا ہے؟ اس نے کہا بہت وسیع۔ کنویں کے مینڈک نے ایک چھلانگ مار کر کہا کیا اتنا بڑا ہے۔ اس نے کہا اس کی تو اس کے مقابلہ میں کچھ حقیقت ہی نہیں ہے۔ پھر اس نے ایک اور چھلانگ ماری اور کہا کہ کیا اتنا بڑا ہے۔ اس پر اس نے کہا نہیں بہت بڑا۔ کنویں کے مینڈک نے دو تین اکٹھی چھلانگیں مار کر کہا کیا اتنا بڑا ہے۔ اس نے کہا میں نے کہہ جو دیا ہے بہت بڑا ہے تم کیوں بیہودہ طور سے اس کا اندازہ لگاتے ہو۔ (یہ مینڈک کا تو یونہی قصہ ہے دراصل بڑے اور چھوٹے علم والے انسانوں کا موازنہ کیا گیا ہے) اس پر وہ روٹھ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا تم بڑے جھوٹے ہو۔ میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ یہ تو ایک قصہ ہے۔ ایک سچا واقعہ سناتا ہوں۔ گزشتہ سال جب ہم بمبئی گئے تو ہمارے ساتھ بچہ کھلانے والی ایک لڑکی تھی۔ ایک دن سمندر کی سیر کرنے جارہے تھے اور وہ بھی ساتھ تھی۔ ابھی سمندر نہیں آیا تھا کہ اس نے پوچھا سمندر کہاں ہے؟ میں نے کہا ابھی آجاتا ہے جب ہم سمندر کے کنارے پہنچ گئے تو اسے بتایا کہ یہ سمندر ہے۔ وہ دیکھ کر بے اختیار کہنے لگی میں سمجھیا بڑا اوچا ہووے گا ایہہ تے بکھریا پیا ہے، یعنی میں نے سمجھا تھا بڑا اونچا ہوگا۔ یہ تو پھیلا ہوا ہے۔ اس کے یہ الفاظ مجھے خوب اچھی طرح یاد ہیں۔ اس نے اپنے علم کے مطابق جو نقشہ کھینچا ہوا تھا جب وہ نہ دیکھا تو حیران سی ہوگئی۔

غرض جب وہ بچہ مختلف باتیں دریافت کرتا ہے تو وہی عورتیں جو اس کی بات بات پر ہنسا

کرتی اور چڑانے کے لئے پوچھا کرتی تھیں کہ روٹی کا نام بتا کیا ہے۔ اور جب وہ روٹی کو روتی کہتا تو کھِل کھِلا کر ہنس پڑا کرتی تھیں۔ وہی اس کے سوالوں پر حیرت کا بت بنی ہوئی کہتی ہیں تم تو پڑھے ہوئے ہو۔ ہم ان باتوں کو کیا جانیں۔ پھر ان کے نزدیک بچوں کے علم کی حد اس قدر وسیع ہو جاتی ہے کہ وہ سمجھتی ہیں ہر بات کا ان کو علم حاصل ہو گیا ہے۔ بچپن کی بات ہے اس وقت مَیں مدرسہ میں پڑھا کرتا تھا میں نے ایک عورت کو جو ہمارے گھر میں رہتی تھی کہا دودھ پر سے ملائی اتار دو۔ جب وہ اتارنے لگی تو گرم دودھ کی اس پر چھینٹیں پڑ گئیں۔ اس کا غصہ مجھ پر اتارتے ہوئے کہنے لگی اتنے پڑھے ہوئے ہو خود ملائی کیوں نہیں نکال لیتے۔ گویا اس کے نزدیک ملائی نکالنے کا طریق بھی ہمیں سکول میں بتایا جاتا تھا۔ تو عورتوں پر بچوں کے علم کی اتنی ہیبت چھا جاتی ہے کہ اس کے مقابلے میں منطق بھی یونہی بدنام ہے۔ دراصل دلائل کو کسی واقعہ پر منطبق کرنے کا نام منطق ہے مگر عام لوگ اس سے اتنا ڈرا کرتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرماتے۔ ایک مولوی مجھے کہنے لگا میں آپ سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا کیونکہ آپ نے منطق پڑھی ہوئی ہے آپ اگر چاہیں تو لکڑی کے ستون کو سونے کا ستون بنا دیں۔ یہ صرف منطق کی مصیبت ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر عورتوں پر بچہ کے علم کی ہیبت چھا جاتی ہے اور وہی بچہ جو کچھ عرصہ پہلے نہایت کمزور اور نحیف ہونے کی وجہ سے ان کی امداد کا محتاج ہوتا ہے ان کے لئے حیرت اور استعجاب کا موجب بن جاتا ہے۔

پھر ایک چھوٹا سا بیج بویا جاتا ہے جس سے اس قدر پتلی اور باریک کونپل نکلتی ہے کہ ایک جانور بکری یا بیل یا گائے یا گھوڑا آتا ہے اسے سونگھ سونگھ کر دیکھتا ہے کہ کھانے کے قابل ہے یا نہیں۔ اکثر اوقات چھوٹی سی ہونے کی وجہ سے حقارت کے ساتھ اسے چھوڑ دیتا ہے اور بعض اوقات اس کا کوئی حصہ کاٹ کر کھا جاتا ہے۔ پھر کچھ مدت کے بعد جب وہ کونپل بڑھ جاتی ہے تو پھر جانور اس کے تنے پر منہ مارنے سے عاجز ہو جاتا ہے البتہ اس کے پتوں اور شاخوں پر منہ مارتا ہے۔ پھر وہ پودا اور بڑھتا ہے اور اس حالت میں جانور اس سے کھیلتا ہے۔ کبھی اس کے ساتھ سر ٹکراتا ہے۔ کبھی پاؤں مارتا ہے۔ کبھی جسم ملتا ہے پھر دیکھتے دیکھتے وہی کونپل جس پر ایک دن حقارت سے جانور منہ مارنے کے لئے تیار نہ تھا اور باریک سی سمجھ کر حقارت سے چھوڑ گیا تھا اسی کے ساتھ مالک اس جانور کو باندھ دیتا ہے اور پھر وہ جانور خواہ اپنا سارا زور بھی لگائے تو بھی چھوٹ نہیں سکتا یہ دیکھتے دیکھتے نقشہ بالکل بدل جاتا ہے اور وہ حیران ہو جاتا ہے۔

یہی حال اللہ تعالیٰ کے ماموروں اور مرسلوں کا ہوتا ہے جس وقت وہ دنیا میں آتے ہیں اس وقت ان کی حیثیت اس کونپل کی طرح ہوتی ہے جو نکل رہی ہوتی ہے یا اس بچہ کی طرح ہوتی ہے جو جاہل اور نادان عورتوں میں پرورش پاتا ہے۔ لوگ اپنی ناواقفیت کی وجہ سے اس کی ابتدائی حالتوں کو دیکھ کر ہنستے اور اس کی حرکتوں پر قہقہے لگاتے ہیں مگر ان کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ اَلصَّبِیُّ صَبِیٌّ وَلَوْ کَانَ نَبِیًّا لـہ جس طرح عورتیں نہیں جانتیں کہ آج جس قدر بچے کی حرکات پر ہم حیرت کا اظہار کر رہی ہیں۔ کل اس کی باتوں پر اس سے بھی زیادہ کریں گی۔ اسی طرح دنیا نہیں جانتی کہ جو معمولی سا انسان نظر آتا ہے یہ روحانی مکتب کا کتنا بڑا استاد ہوگا اور اس کی باتیں کیسی حیرت انگیز ہوں گی مگر کھلائی عورتیں تو بچے کے سامنے اقرار کرلیتی ہیں کہ تم پڑھ گئے ہو ہم جاہل ہیں ہم ان باتوں کو کیا جانیں جو تم بیان کرتے ہو۔ لیکن افسوس بوڑھی دنیا نبی کے متعلق یہ کہتی ہے کہ چونکہ تمہاری باتیں میری عقل اور سمجھ سے بالاتر ہیں اس لئے جھوٹ اور غلط ہیں نہ کہ اپنی جہالت کا اقرار کرتی ہے حالانکہ جس طرح جب بچہ پڑھ جاتا ہے تو اس کی باتیں سن کر عورتیں اپنی لاعلمی اور جہالت کا اقرار کرلیتی ہیں اسی طرح دنیا کو نبی کے مقابلہ میں اپنی جہالت کا اقرار کرنا چاہئے تھا لیکن افسوس ایسا نہیں ہوتا۔ نبی جب پیدا ہوتا ہے تو اس وقت چونکہ کونپل کی طرح ہوتا ہے اس لئے ایک عرصہ تک لوگ اسے حقیر سمجھتے ہیں کیونکہ ایک طرف وہ اپنی طاقت، قوت، سامان اور جتھے کو دیکھتے ہیں اور دوسری طرف اس کی کمزوری، بے سروسامانی اور تنہائی کو دیکھتے ہیں اس لئے کہتے ہیں یہ حقیر سی چیز ہے اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہاں جس طرح کیڑے مکوڑے چھوٹے سے درخت کے ساتھ بھی چمٹ جاتے ہیں لیکن بھینسا حقارت کے ساتھ اس کو دیکھ کر گزرتا ہے اسی طرح چھوٹے چھوٹے لوگ بھی نبی کے پیچھے پڑ جاتے اور اسے ذلیل کہتے ہیں لیکن جس طرح چھوٹی سی کونپل جب تنا بن جاتی ہے تو وہی بھینسا اس پر سر مار کر بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور اسی کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح نبی جب ترقی کرتا ہے تو وہی لوگ جو اسے حقارت سے دیکھتے اور ناقابل توجہ سمجھتے تھے انہی کو رسی باندھ کر اس کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے۔ وہ تو اس وقت بھی بھینسے کے بھینسے ہی رہتے ہیں۔ مگر وہ نبی جسے حقیر سمجھتے تھے اب اس کے خلاف خواہ کتنا ہی زور لگائیں کچھ نہیں کرسکتے۔ ہاں اس کے دیکھنے کے لئے آنکھیں، سننے کے لئے کان اور سمجھنے کے لئے دل کی ضرورت ہے اور نبی کی ساری زندگی کو آنکھوں کے سامنے لانے کی حاجت۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب دعویٰ کیا تو آپ کی کیا کیفیت اور کیا حال تھا۔ پھر کس طرح اس وقت کیڑے مکوڑوں کی حیثیت رکھنے والے آپ کے ساتھ چمٹے اور جو بڑی حیثیت رکھنے والے تھے یعنی جن کو بیلوں، بھینسوں اور گدھوں کی حیثیت حاصل تھی وہ کس طرح آپ کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ پہلے کیڑے مکوڑوں نے اس پودے کو برباد کرڈالنے کی کوشش کی مگر وہ بڑھتا ہی گیا۔ پھر بیلوں اور بھینسوں نے اس کے خلاف زور لگایا لیکن وہی پودا جو حقارت سے دیکھا گیا تھا اسی نے اس قدر شاخیں نکالیں کہ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ایک ٹہنی انگلینڈ میں ہے تو ایک ماریشس میں، ایک چین میں ہے تو ایک سیلون میں، ایک نائیجیریا میں ہے تو ایک مصر میں، ایک ایران میں ہے تو ایک افغانستان میں۔ ہم پوچھتے ہیں سوائے نبوت کے اور کونسا ایسا درخت ہے جس کی شاخیں اتنی اتنی دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ دیکھو سب درختوں کا سایہ محدود ہوتا ہے اور ان کی شاخیں تھوڑی دور تک پھیلی ہوتی ہیں مگر نبوت کے درخت کی شاخیں نکلتی ہیں تو دور دراز ملکوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ ہاں ابتداء میں ان شاخوں کا بھی وہی حال ہوتا ہے جو نبی کا ہوتا ہے۔ پہلے پہل وہ شاخیں پتلی اور باریک سی ہوتی ہیں کہ ان میں سے ایک ایک کے نیچے دو تین چار دس پندرہ بیس آدمی ہی بیٹھ سکتے ہیں اور زیادہ لمبی ہونے کی وجہ سے پتلی اور کمزور نظر آتی ہیں مثلاً انگلینڈ میں چھ ہزار میل کی لمبائی تک جو شاخ پہنچی ہے وہ اتنی لمبی ہونے کی وجہ سے باریک ہی ہونی چاہئے لیکن جس طرح دیکھتے دیکھتے نبوت کا بیج پھوٹا اور پھیلا اسی طرح یہ شاخ بھی موٹی ہونی شروع ہوگئی ہے اور پتے نکل رہے ہیں گو ابھی لوگ اسے تماشہ کے طور پر ہی دیکھتے ہیں اور اس کی اسی لئے پرواہ نہیں کرتے کہ یہ خودبخود ہمارے بوئے ہوئے کھیتوں اور درختوں کے سائے کے نیچے جل جائے گی۔ مگر خدا کے فضل سے وہ دن آئے گا جبکہ وہ پھیلتی پھیلتی اس قدر پھیل جائے گی کہ سب کی زراعتیں اس کے مقابلہ میں جل جائیں گی۔

غرض ایک عجیب نظارہ ہے اور ایسا عجیب نظارہ ہے کہ اس سے عجیب تر دنیا میں کوئی نظارہ نہیں۔ اسے ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں دیکھا اور ایسا ہی دیکھا جیسا اور نبیوں کے وقت میں ہوا بلکہ اور کئی نبیوں سے بڑھ کر دیکھا اس لئے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت رسول کریم ﷺ کی دوسری بعثت ہے۔ پھر بلحاظ اس کے کہ اس زمانہ میں علوم کی ترقی ہوگئی ہے۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ کے متعلق باوجود آپ کی قوتِ قدسیہ کے کمال پر پہنچے

ہونے کے مخالفین کہتے ہیں کہ اس وقت لوگ چونکہ جاہل تھے اس لئے ان کی تعلیم مان گئے چونکہ رسول کریم ﷺ کی قوتِ قدسیہ پر یہ بہت بڑا اعتراض ہے اور خدا تعالیٰ نے نہ چاہا کہ یہ آپ کی ذات والا صفات پر رہے اس لئے آپ کے بروز کو ایسے زمانہ میں بھیجا جس میں تمام علوم اپنے کمال کو پہنچے ہوئے ہیں اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ تمام انبیاء ایسے زمانے میں بھیجے گئے جبکہ ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی تاریکی اور ظلمت پھیلی ہوئی تھی۔ مگر رسول کریم ﷺ کی بعثت ثانیہ ایسے زمانہ میں ہوئی جبکہ دنیاوی علوم اور عقلیں کمال کو پہنچی ہوئی ہیں تو اس بعثت میں خدا تعالیٰ نے اس اعتراض کو کہ رسول کریم ﷺ ایسے زمانہ میں مبعوث ہوئے جبکہ جہالت اور تاریکی پھیلی ہوئی تھی اس لئے کامیاب ہوگئے حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ سے دور کردیا ہے کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی یہ بھی غرض ہے کہ اسلام پر مخالفین کی طرف سے جو اعتراض کئے جاتے ہیں انہیں دور کردیں۔ آج یورپ کا بہت بڑا اعتراض یہی ہے کہ اس زمانہ میں چونکہ جہالت پھیلی ہوئی تھی اس لئے محمد (ﷺ) جو دانا اور عقلمند انسان تھا اس نے لوگوں کو اپنے پیچھے لگالیا ورنہ خدا کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔

اس اعتراض کو دور کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے اب جبکہ یورپ کا دعویٰ ہے کہ وہ علوم کی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا ہے اپنے ایک نبی اور رسول کریمؐ کے غلام کو بھیج دیا اور دنیا کو دکھادیا کہ اس کی پتلی سی شاخ کے سامنے بڑے بڑے تناور درخت مرجھا مرجھا کر گرنے لگ گئے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے یہ نشان خاص عظمت اور شان کے ساتھ دکھایا ہے اور اس زمانہ میں دکھایا ہے جب کہ دنیا اس بات کی قائل ہورہی ہے کہ خدا مُردہ کی حیثیت سے زیادہ کچھ وقعت نہیں رکھتا اور اس کے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بادشاہتیں اڑ رہی ہیں اور جمہوریت پھیل رہی ہے اور سب سے اعلیٰ درجہ کی سلطنت اس طریق کی سمجھی گئی ہے کہ ایک شخص ہو جس کو بادشاہ کا نام دے کر بٹھا دیا جائے اور اسے کہا جائے کہ تمہارا کام سوائے دستخط کردینے کے اور کچھ نہیں کسی بات میں دخل دینے کا تمہیں اختیار نہ ہوگا۔ اس کے مطابق خدا کی حیثیت بھی قرار دی گئی اور لکھ دیا کہ دنیا کے کاروبار میں خدا کا کوئی دخل نہیں اس قسم کے خیالات کہ وہ نبی بھیجتا ہے یا معجزے دکھاتا ہے جاہلانہ باتیں ہیں۔ خدا نے دنیا کو پیدا کرکے چھوڑ دیا ہے کہ خود اپنے لئے سامان مہیا کرو۔

ان خیالات کے قلع قمع کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو بھیجا اور اس وقت

جبکہ دنیا میں آپ کی کوئی حیثیت نہ تھی آپ نے اعلان کیا کہ۔

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا"۔ ؎۲

پھر آپ نے بتایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ

"میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" ؎۳ دنیا میں سب سے خطرناک مخالفت شرکاء کی ہوتی ہے۔ پنجابی میں تو مشہور ہے "شراکت دا دانہ سر دکھدے دی کھانا" تو سب سے بڑی مخالفت اعزاء اور اقرباء کی ہوتی ہے کیونکہ وہ برداشت نہیں کر سکتے کہ انہی میں سے کھڑا ہو کر ایک شخص دنیا میں بڑائی اور عزت حاصل کرے۔ وہ جو اس کے مقابلہ میں چپہ چپہ زمین کے لئے لڑتے مرتے ہیں وہ کب گوارا کر سکتے ہیں کہ ساری دنیا اس کے پاس آجائے اس لئے وہ پورا زور لگاتے ہیں کہ اسے دبائیں۔ حتیٰ کہ جو بے بس ہو جاتے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ بھی کسی نہ کسی طرح دل کا بخار نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضرت خلیفہ اول فرماتے ہیں کہ شاہ پور کے رئیسوں میں سے کسی کو جب خان بہادر کا خطاب ملا تو اسی خاندان میں سے ایک عورت نے جو بہت غریب تھی اپنے لڑکے کا نام خان بہادر رکھ دیا۔ اس سے پوچھا گیا یہ تو نے کیا کیا۔ تو کہنے لگی کہ معلوم نہیں میرا بچہ بڑا ہو کر کیا بنے گا لیکن جب لوگ نام لیں گے تو جس طرح اس کے شریک کو خان بہادر کہیں گے اسی طرح اس کو بھی کہیں گے۔ تو جو کچھ اور نہیں کر سکتے وہ نام ہی رکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دعویٰ کیا تو آپ کے رشتہ داروں میں بھی ایک شخص نے امام ہونے کا دعویٰ کیا مگر کہتے ہیں فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ حضرت مسیح موعود نے تو یہ دعویٰ کیا کہ میں ساری دنیا کے لئے حکم بن کر بھیجا گیا ہوں اور چھوٹے درجہ کے لوگوں کے لئے ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے بادشاہوں پر بھی فرض ہے کہ میری اتباع کریں۔ لیکن اس کی نام ہی رکھنے والی بات تھی اس نے دعویٰ تو کیا مگر چوہڑوں کا امام ہونے کا۔ ادھر حضرت مسیح موعود نے دعویٰ کیا تو یہاں تک لکھ دیا کہ بادشاہ انگلستان پر بھی فرض ہے کہ مجھے مانے۔ چنانچہ خود لکھ کر ملکہ کو جو اس وقت بادشاہ تھی بھیج دیا۔ اس کے مقابلہ میں چوہڑوں کا امام ہونے کا دعویٰ کرنے والے کی دلیری اور اس کی جماعت کا یہ حال تھا کہ یہاں آکر جب تھانیدار نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے کوئی دعویٰ کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں نے کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ کسی نے یونہی جھوٹی رپورٹ کر دی ہوگی۔ تو شراکت

والوں کی سب سے بڑی مخالفت ہوتی ہے اور جس طرح رسول کریم ﷺ کی بڑی مخالفت وہی ہے جو آپ کے قریبی رشتہ داروں نے کی۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کی بڑی مخالفت بھی آپ کے قریبی رشتہ داروں نے ہی کی۔ لوگوں نے رسول کریم ﷺ کا سب سے بڑا مخالف جس کو قرار دیا ہے گو وہ ایذاء رسانی میں سب سے بڑا نہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ بغض میں سب سے بڑھا ہوا تھا وہ ابولہب آپ کا چچا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں نے بھی آپ کی مخالفت کی۔ وجہ یہ ہے کہ وہ برداشت نہیں کرسکتے تھے کہ ہم میں سے ہو کر نہ صرف ہم سے زیادہ شہرت اور عزت حاصل کرلے بلکہ ہم کو اپنے تابع کرلے۔ اس خیال سے مجبور ہو کر انہوں نے آپ کے خلاف کوششیں کیں۔ اور آپ کا نام و نشان مٹانے کی کوشش کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا لیکن آپ کو خدا نے بتا دیا تھا کہ تیرے نام کے سوا کسی کا نام زندہ نہیں رہے گا۔ ان لوگوں کی نسلیں تجھ میں ہو کر چلیں تو چلیں۔ ورنہ یہ مٹ جائیں گے اور بالکل تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ۔ [۴] کہ تیرے دشمنوں کی نسل منقطع ہو جائے گی۔ اب دیکھئے بظاہر ابو جہل کی اولاد ہوئی اور رسول کریم ﷺ کی نہیں ہوئی۔ مگر خدا تعالیٰ آپ کو فرماتا ہے کہ تیرے دشمن ابتر ہوں گے۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ اب وہی اولاد قائم رہے گی جو رسول کریم ﷺ کی اولاد بن کر رہے گی۔ چنانچہ دیکھ لو عکرمہ کی جو کہ ابو جہل کا بیٹا ہے اولاد ہوئی مگر کون ہے جو یہ کہے کہ میں ابو جہل کی اولاد ہوں وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کی اولاد ہیں اور اس سے زیادہ کسی کی نسل کیا منقطع ہو سکتی ہے کہ نسل موجود ہوتے ہوئے بھی اپنے آباء کی نسل ہونے سے انکار کردے۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بتایا گیا کہ تیرے سوا اس خاندان کی نسلیں منقطع ہو جائیں گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اب اس خاندان میں سے وہی لوگ باقی ہیں جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے اور باقی سب کی نسلیں منقطع ہو گئی ہیں۔ جس وقت حضرت مسیح موعودؑ نے دعویٰ کیا اس وقت اس خاندان میں ستّر کے قریب مرد تھے۔ لیکن اب سوائے ان کے جو حضرت مسیح موعودؑ کی جسمانی یا روحانی اولاد ہیں ان ستّر میں سے ایک کی بھی اولاد نہیں ہے۔ حالانکہ انہوں نے حضرت صاحب کا نام مٹانے میں جس قدر ان سے ہو سکا کوششیں کیں۔ اور اپنی طرف سے پورا پورا زور لگایا۔ مگر نتیجہ کیا ہوا؟ یہی کہ وہ خود مٹ گئے اور ان کی نسلیں منقطع ہو گئیں۔ یہ بھی حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا ایک عظیم الشان نشان ہے۔ پھر حضرت مسیح موعودؑ کو

الہام ہوا اور دکھایا گیا کہ "یہ جو مسجد مبارک کے پاس مکان ہے۔ اس میں ہم کچھ حسنی طریق سے داخل ہوں گے اور کچھ حسینی طریق سے"۔ ۵؎ بہت لوگ حیران تھے کہ اس الہام کا کیا مطلب ہے۔ اور میں نے خود حضرت صاحب سے سنا آپ فرماتے تھے معلوم نہیں کہ اس الہام کا کیا مطلب ہے لیکن وقت پر معنی کھلتے ہیں۔ اس کے ایک معنے تو یہ ہو سکتے ہیں کہ جس طرح اور جس طریق سے حضرت حسن اور حسین داخل ہوئے تھے اسی طرح ہم بھی داخل ہوں گے اور ایک یہ کہ ان کا رویہ اختیار کرکے ہم داخل ہوں گے۔ اب ہم حضرت حسن اور حسین کے طریق کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے پہلے معنے تو ہو نہیں سکتے کیونکہ حضرت حسن نے یہ طریق اختیار کیا تھا کہ انہوں نے خلافت چھوڑ دی اور صلح کرکے اختلاف اور انشقاق کو مٹانا چاہا تھا لیکن حضرت حسین نے تلوار کے ذریعہ سے فتنہ کو فرو کرنے کی کوشش کی مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی اور وہ خود مارے گئے۔ یوں تو وہ مؤمن تھے اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جس غرض کے لئے انہوں نے کوشش کی وہ حاصل نہ ہوئی۔ لیکن بظاہر دشمن نے ان پر غلبہ پالیا۔ تو یہ معنے نہیں ہو سکتے کہ جس طرح وہ داخل ہوئے تھے اسی طرح ہم بھی داخل ہوں گے۔ بلکہ یہی ہوں گے کہ جو طریق ان کا تھا وہی ہمارا ہوگا کہ کچھ تو صلح کے ذریعہ اور کچھ لڑائی کے ذریعہ ہم اس مکان میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ یہ دونوں صورتیں پوری ہوگئیں۔ لڑائی یعنی جلالی رنگ تو ایسا پورا ہوا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے اس الہام کے مطابق کہ اس مکان میں بیوائیں ہی رہ جائیں گی یہی حالت ہوگئی۔ پھر جمال کا اظہار ہوا تو ایسا کہ اس خاندان میں سے جو ایک بچہ رہ گیا تھا اس کو کھینچ کر سلسلہ میں داخل کردیا۔ تو خدا تعالیٰ نے اس گھر پر جلال کا اظہار کیا تو ایسا کہ وہ گھر جس کی رونق ہمارے گھروں سے بہت زیادہ تھی اسے ایسا سنسان اور اجاڑ بنادیا کہ وہاں اُلو بسے اور واقعہ میں بسے۔ پھر خدا تعالیٰ نے جمال کے اظہار کے لئے ایک بچہ کو ان میں سے لے لیا اور حضرت مسیح موعودؑ کی پناہ میں دے دیا۔ پس وہ الہام دونوں پہلوؤں سے پورا ہوگیا۔

اس وقت مَیں نے اس نشان کو اس تقریب پر بیان کیا ہے کہ میں مرزا گل محمد کی شادی کا اعلان کرنے لگا ہوں یہ مرزا نظام الدین کی اولاد میں سے ہے اور اس خاندان میں بلکہ دوسرے خاندانوں میں سے بھی جنہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی مخالفت کی صرف یہی بچا ہے اور کوئی نہیں بچا اور اس کے بچاؤ کی بھی یہی صورت ہوئی ہے کہ یہ کسی نہ کسی ذریعہ سے اس سلسلہ سے وابستہ ہوگیا ہے جس کے ساتھ وابستہ ہوکر اس وقت انسان خدا کے عذاب سے بچ سکتے

ہیں۔

(الفضل ۷۔اکتوبر ۱۹۱۹ء صفحہ ۴ تا ۸)

۱؎

۲؎ تذکرہ صفحہ ۱۰۴۔ ایڈیشن چہارم

۳؎ تذکرہ صفحہ ۳۱۲۔ ایڈیشن چہارم

۴؎ الکوثر : ۳

۵؎ تذکرہ صفحہ ۷۹۲۔ ایڈیشن چہارم